## سیر و سوانح

# مولوی محمد لیاقت علی الہ آبادی

ڈاکٹر اقبال حسین

غیر منقسم ہندوستان کی تاریخ میں ۱۸۵۷ء کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اس سال برطانوی سامراجیت کے خلاف شمالی ہند میں ایک عظیم تحریک کا آغاز ہوا جس نے عملاً برطانوی اقتدار کو وقتی طور سے اکھاڑ پھینکا۔ ہندوستان میں بہر حال ایسے عناصر کی کمی نہ تھی جن کا مفاد برطانوی سامراجیت سے وابستہ تھا ان عناصر میں معاشرہ کے اعلیٰ طبقہ کی نمائندگی نوابوں، مہاراجوں، تعلقہ داروں اور زمین داروں کی اکثریت کرتی تھی۔ درمیانی طبقہ کے لوگوں میں وہ نودولتئے تاجر اور سودخور مہاجن تھے جن کا عروج اور بقا برطانوی حکومت کے قیام اور استحکام سے وابستہ تھا، تیسرے طبقہ میں عوام کی غریب اور مفلوک الحال اکثریت تھی جن میں سپاہی، کسان، مدرسین، سرکاری ملازمین اور دوسرے محنت کش افراد تھے، جن کا معیار زندگی اور نصب العین اول الذکر طبقوں سے یکسر جدا تھا۔ تاہم ۱۸۵۷ء کی بغاوت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں اول الذکر طبقہ کے بعض چوٹی کے افراد نے بھی زبردست سرگرمی دکھائی لیکن ان کی جدوجہد کے پس پشت ان کی اپنی محرومیوں، ناکامیوں اور برطانوی حکمرانوں سے شدید غم وغصہ کا عنصر کارفرما تھا مثلاً بہادر شاہ ظفر، مہارانی لکشمی بائی، کنور سنگھ، بیگم حضرت محل، نانا صاحب وغیرہ کی حکومتِ وقت سے ذاتی شکائتیں اور ناراضگیاں تھیں، یہ لوگ جب برطانوی حکمرانوں کے طرز عمل سے مایوس ہوگئے تو اپنے غم وغصہ کے اظہار کے لیے تلوار اٹھالی، پھر بھی یہ امر قابلِ قدر ہے کہ ایک بار ہتھیار اٹھانے کے بعد یہ لوگ آخر دم تک برطانوی حکومت سے برسرپیکار رہے۔ بہر نوع اس طبقہ سے زیادہ قابلِ قدر تیسرے طبقہ کے لوگوں کا طرز عمل تھا اُن میں بنکروں کی اکثریت تھی یا کاشتکاروں یا سپاہیوں کی جو برطانوی اقتدار کی وسعت اور استحصال کی پالیسی کا مسلسل شکار ہوکر فقر و فاقہ کی زندگی گذار رہی تھی۔ اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابلِ قدر طرز عمل

مکتبوں اور مدرسوں کے بوریہ نشین مدرّسوں یا مسجد کے اماموں کا تھا جو صرف مذہبی جذبہ سے سرشار ہو کر دین کے تحفظ کے لیے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں کود پڑے تھے۔ ان کا واحد مقصد اسلام کا تحفظ تھا۔ اُن کو نہ جاہ و حشم کی طلب تھی اور نہ مال و دولت کی طمع۔ ان کی دینی حمیت کو جھنجھوڑنے کے لیے یہ کافی تھا کہ برطانوی حکمرانوں کی سرپرستی میں ہندوستانیوں کو مسیحیت کی طرف راغب کرنے کی منظم کوششیں کی جا رہی تھیں اور اس کام کے لیے عیسائی مبلغین کو نہ صرف افواج میں مامور کر دیا گیا تھا بلکہ یہ کھلے عام اسلام اور ہندو مذہب کی مذمت کرتے تھے۔ پورا ملک پہلے ہی سے برطانوی حکمرانوں سے بیزار تھا۔ اس بیزاری کے نتیجہ میں ملک کے مختلف گوشوں میں چھوٹی چھوٹی شورشیں اٹھتی تھیں لیکن کوئی تحریک ملک گیر پیمانہ پر نہ اُٹھ سکتی ملک کے عوام انتہائی ناگواری کے ساتھ برطانوی استحصال کو برداشت کرتے رہے لیکن جب اُن کے ایمان اور عقائد پر حملے شروع کیے گئے تو ان کے صبر کا پیمانہ چھلک اٹھا اور وہ حکومتِ وقت کے خلاف صف آرا ہو گئے اور بغاوت شروع ہو گئی۔ اس مقالہ کا مقصد یہ نہیں ہے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کا جائزہ پیش کیا جائے بلکہ یہاں تو ہم صرف ایک گمنام اور مکتب کے ایک مدرس کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جس نے حرارتِ ایمانی سے مغلوب ہو کر رضائے الٰہی کی خاطر تلوار اٹھائی اور پہلی جنگ آزادی میں عوام کا محبوب اور ہر دل عزیز قائد بن کر رہنمائی کی۔ یہ گمنام شخص مولوی محمد لیاقت[1] علی الٰہ آبادی تھے۔

مولوی محمد لیاقت علی غالباً موضع مہا گاؤں، پرگنہ چاہل ضلع الٰہ آباد کے باشندہ تھے۔ آپ کی سنِ پیدائش اور ابتدائی زندگی کے حالات قدرے تاریکی میں ہیں[2] تاہم روزنامہ نیشنل ہیرالڈ، لکھنؤ، یکم ستمبر ۱۹۵۸ء میں شائع ہونے والے ایک مضمون سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کا تعلق مہا گاؤں

---

[1] اردو میں دو مقالے مولوی صاحب پر مولانا انتظام اللہ شہابی اور مولانا غلام رسول مہر سپرد قلم فرما چکے ہیں: ملاحظہ ہو "غدر کے چند علماء" (آئندہ بحوالہ شہابی)، "۱۸۵۷ء کے مجاہد" (آئندہ بحوالہ مہر) ان بزرگوں نے جب مولوی صاحب پر مضمون تحریر فرمایا تھا تو بہت سی سرکاری دستاویزات اور مقدمات کی فائلیں اُن کی دسترس سے باہر تھیں۔ اس مضمون میں نئے مواد کی روشنی میں مولوی صاحب کی حیات کے مختلف گوشوں کو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

[2] ایک انگریز مورخ غالباً مولوی صاحب سے ان کی برطانیہ اور انگریز مخالف سرگرمیوں سے برہم ہو کر لکھا ہے کہ آپ بافندے تھے۔ ولیم جان کے ای A History of Sepoy war in India Vol.II
(William John Kaye) P.P. 256-58) (آئندہ بحوالہ Kaye)

کے قاضیوں سے تھا اور غالباً خود آپ بھی منصب قضا پر فائز تھے۔ مفتی انتظام اللہ شہابی کا یہ بیان بھی قابلِ توجہ ہے :۔

"مولانا لیاقت علی صاحب قادریہ سلسلہ کے شیوخ سے تھے۔ چائل اور الہ آباد کے کثیر التعداد نفوس آپ سے بیعت تھے۔"[۱]

غالباً مولوی صاحب کی ابتدائی تعلیم رسم زمانہ کے مطابق ہوئی۔ وثوق کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ آپ نے کہاں تک تعلیم حاصل کی تاہم قرائن اور شواہد سے یہ باور کیا جا سکتا ہے کہ موصوف نے اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہوگی۔[۲] آپ نے اپنی زندگی کا آغاز فوج کی ملازمت سے کیا لیکن حکومت مخالف سرگرمیوں کے الزام پر آپ کو ملازمت سے الگ کر دیا گیا۔[۳] اس کے بعد مولوی صاحب مہاگاؤں لوٹ آئے اور موضع ہی کی مسجد میں امامت کے ساتھ درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔ اپنی علمی صلاحیتوں، مذہبی انہماک اور خدا ترسی کی وجہ سے جلد ہی مولوی صاحب کی شہرت قرب و جوار میں پھیل گئی۔ چائل اور الہ آبادی آپ کے مریدوں کی خاصی تعداد ہو گئی۔[۴]

شمالی ہندوستان میں بغاوت کی ابتدا ۱۰ر مئی ۱۸۵۷ء کو میرٹھ سے ہوئی تھی اور جلد ہی گردو نواح کے علاقے حکومتِ برطانیہ کے ہاتھ سے نکل گئے۔ الہ آباد میں بغاوت کے آثار مئی سے ہی ظاہر تھے۔ پورا ماہِ مئی انگریزوں پر سخت گذرا۔ حفظ ماتقدم کے تحت الہ آباد میں موجود تمام انگریز خاندان، الہ آباد کے تاریخی قلعہ میں منتقل ہو گئے، لیکن الہ آباد کو محفوظ تصور کر کے جون کے ابتدائی ایام میں سب اپنے اپنے مسکنوں پر لوٹ آئے۔ ۶ر جون ۱۸۵۷ء کو الہ آباد میں تعینات چھٹویں رجمنٹ کے سردار رام چند نے علم بغاوت بلند کر دیا۔[۵] اس کے ساتھ ہی پورے ضلع میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کی ابتدا ہو گئی۔[۶] مولوی محمد لیاقت علی جو غالباً عرصہ دراز سے انگریزی

---

۱۔ شہابی ص۱۲۸

۲۔ شہابی ص۱۲۸ پر لکھتے ہیں کہ آپ ایک علمی گھرانے کے فرد تھے اور علمائے عصر سے اکتساب کیا۔

۳۔ لیاقت علی میوٹنی بستہ نمبر ۵، فائل نمبر ۱۶ (الہ آباد کلکٹریٹ ۔ آیندہ بحوالہ میوٹنی بستہ)

۴۔ شہابی، ص۱۲۸ ۵۔ پنڈت کنہیالال: تاریخ بغاوت ہند۔ محاربۂ عظیم، نول کشور، لکھنؤ ۱۸۶۱ء ص۱۶۶ Kaye جلد دوم ص۵۸-۲۵۶

۶۔ Kaye ص۵۸-۲۵۶

حکومت کے خلاف سرگرم عمل تھے اور بقول شہابی "اپنے وعظ و تذکیر میں اقتدار نصاریٰ پر تلمیحاً اشارہ کر جاتے، اور اپنے مریدین کو جہاد کی ترغیب و تشویق کی تلقین کرتے"[۱] اس جنگ میں کود پڑے[۲] مولوی صاحب اس جنگ میں صرف ثواب دارین کی خاطر کود ے تھے اور ان کا واحد مقصد برطانوی اقتدار کا خاتمہ تھا۔ مولوی صاحب نے مہاگاؤں کی بجائے الہ آباد کو اپنا مستقر بنایا[۳] ان کے مریدوں نے نعرہ جہاد پر لبیک کہا اور دیکھتے ہی دیکھتے مواضع صمد آباد، رسول پور کے میواتی مسلمانوں کے علاوہ بہت سے دیگر طبقہ کے لوگ جن میں فوجی بھی شامل تھے، آپ کے گرد جمع ہو گئے[۴] مسلمانوں کے اتحاد اور اس موقع پر ان کے جوش و خروش کا اندازہ پنڈت کنہیا لال جی کی مندرجہ ذیل عبارت سے ہو سکتا ہے۔

"ایک مسلمان جہادی نے جس کا نام اب تک بخوبی صحت کو نہیں پہونچا مگر نامزد بمولوی صاحب تھا جھنڈا سرکشی بخلاف سرکار انگریزی قائم کر کے اکثر بدمعاشوں کو جمع کیا۔ مشہور ہے کہ یہ شخص کوئی مولوی مکتب پڑھاتا تھا لیکن جب ان احسان فراموش محسن کش سپاہ نے بلوہ عام کیا اور سپاہ گورہ اونکی سرکوبی کو موجود نہ تھی مگر یہ دو امر ظاہر تھے۔ ایک تو یہ کہ اتفاق مسلمانوں میں جیسا کہ مشہور ہے بہت ہے اور دوسرے یہ کہ مسلمان انگریزوں کو کلیتہً ناپسند کرتے ہیں کیونکہ جس وقت مسلمانوں نے سنا کہ ایک مولوی کھڑا ہوا ہے صدہا روز آ کر جمع ہوتے تھے اور غرض سب کی یہ تھی کہ گورہ لوگ یعنی انگریزوں کو بیخ و بُن سے نیست و نابود کر دیں"۔[۵]

مندرجہ بالا شہادت سے یہ واضح ہے کہ مولوی صاحب کی جہاد کی تحریک اور ان کی عام اپیل کے نتیجہ میں قرب و جوار سے مسلمانوں کی تعداد ان کے پرچم تلے جمع ہو رہی تھی۔ الہ آباد میں مولوی صاحب کا مرکز تاریخی خسرو باغ تھا[۶]۔ فوج کے باغی آفیسر رام چند اور بہت سے دوسرے

---

۱ شہابی، ص ۱۲۸ ۲ Kaye ص ۵۵-۲۵۶ ۳ Kaye، ص ۲۶۱

۴ ایس، اے، اے، رضوی، فریڈم اسٹرگل ان یوپی، جلد، جلد چہارم، ص ۵۵ (آیندہ بحوالہ رضوی)

۵ کنہیا لال، ص ۱۹۸، Kaye ص ۲۶۱ بھی اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ مسلمانوں میں انگریزی حکومت کے خلاف بے پناہ نفرت کا جذبہ پایا جاتا تھا اور انھیں اس امر کا یقین تھا کہ دوبارہ مسلمانوں کی حکومت قائم ہو جائے گی۔

۶ کنہیا لال، ص ۱۹۸، Kaye ص ۲۶۱

فوجی مولوی صاحب کے حلیف تھے۔ رام چندی کی تجویز پر مولوی صاحب کو الہ آباد کا حاکم اعلیٰ منتخب کیا گیا۔[1]

الہ آباد میں عوام کی قیادت سنبھالنے کے بعد مولوی صاحب کے سامنے کئی اہم مسئلے تھے۔ سب سے بڑا مسئلہ خود مسلمانوں میں ہم آہنگی، یگانگت اور اتفاق کا تھا مسلمانوں کا ایک طبقہ یہ نظریہ رکھتا تھا کہ "جہاد" کا نعرہ بلند کرنے کا حق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کے نائب، امام کو ہی حاصل ہے۔ کوئی اور شخص شرعی طور پر اس کا اہل نہیں۔ دوسرے خود سنی مسلمانوں میں غالباً برطانیہ نواز افراد کے پروپیگنڈے کے تحت ایک حلقہ اس خیال کا تھا کہ یہ جنگ سیاسی ہے اور مذہبی نہیں ہے۔[2] اس نزاکت حال کے پیش نظر مولوی صاحب نے دو اشتہارات جاری کیے۔ پہلا منظوم اور دوسرا غیر منظوم۔ ان اشتہارات کو مولوی صاحب نے بقول کنھیا لال، شاہ اودھ کو بھیجا تھا اور قرب وجوار میں مشتہر کیا تھا۔[3] شہابی کا بیان ہے کہ ان اشتہارات کے ذریعہ مولوی صاحب نے ہندوؤں اور مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی تھی۔ غیر منظوم اشتہار جہاں ایک طرف پیام جہاد دیتا ہے وہیں برطانوی حکومت کے سیاہ کارناموں کا مختصر خاکہ بھی پیش کرتا ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عام شکایات میں قتل و غارت گری، آتش زدگی، پھانسی انہدام مکانات، چھاپہ زنی، خونریزی علماء ومشائخ، احتراق کلام اللہ واحادیث وکتب فقہ وغیرہ سرفہرست تھے۔[4] (ان اشتہارات کی تاریخی افادیت کے پیش نظر انھیں ضمیمہ میں پیش کیا جا رہا ہے) نثری اشتہار میں مولوی صاحب نے جہاد کے متعلق قرآن کی آیات اور ان کا اردو ترجمہ بھی دیا ہے تاکہ جہاد کی مذہبی حیثیت واضح ہوسکے۔

مولوی صاحب کی اپیل کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ قرب وجوار کے اہم اور بااثر حضرات جن میں شیخ نظام اشرف، غلام اسمٰعیل، محمد حسین، چودھری میران بخش، مولوی سید احمد علی، مولوی غلام حیدر، مولوی امجد علی، حسین علی خاں، شیر خاں، شیخ لطف علی، شیخ فتح علی، شیخ نجف علی نائب کوتوال وغیرہ

---

[1] کنھیا لال، ص۱۹۸؛ Kaye ص۲۶۱ پر رقم طراز ہے کہ مولوی صاحب نے خود کو الہ آباد کا گورنر بنا لیا۔ Nevill نے ضلع الہ آباد کے گزیٹر، ص۱۸۷ پر لکھا ہے کہ مولوی صاحب نے اپنی گورنری کا اعلان کیا۔ شہابی ص۱۲۹ پر لکھتے ہیں کہ مولوی صاحب کو نواب مقرر کیا گیا۔

[2] شہابی، ص۱۲۹ [3] کنھیا لال، ۱۹۹

[4] ملاحظہ ہو ضمیمہ اول

قابلِ ذکر ہیں مولوی صاحب کے ساتھ شریک ہو گئے[1] مولوی صاحب نے اتحاد اور جہاد کی عملی کوششوں کے بعد ضلع کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی۔ آپ نے سیف اللہ خاں اور سُکھرائے کو چائل کا تحصیل دار مقرر کیا[2] قاسم علی خاں اور نعمت اشرف کوتوال کے عہدہ پر مامور کیا۔ چودھری شہاب الدین نائب کوتوال مقرر ہوئے۔ ہادی اور فیض اللہ خاں جو موضع بُھکّا کے زمین داران تھے مولوی صاحب کی فوج میں افسری کے عہدہ پر تعینات ہوئے[3] مولوی صاحب کی انتظامی تدابیر کا فوری اثر یہ ہوا کہ الٰہ آباد شہر غنڈوں کی لوٹ مار سے محفوظ ہو گیا، قرب و جوار میں بھی امن و امان قائم ہو گیا اور لوٹ کھسوٹ بند ہو گئی[4]

مولوی صاحب کے سامنے انگریز بہر حال سب سے بڑا مسئلہ تھے۔ وہ مولوی صاحب کے الٰہ آباد میں اقتدار سنبھالتے ہی دوبارہ قلعہ بند ہو گئے۔ قلعہ میں سامانِ حرب اور گولہ بارود کے علاوہ ضروریات زندگی کی کوئی کمی نہ تھی۔ انگریزوں کے علاوہ قلعہ کے اندر چار سو کے قریب تربیت یافتہ سکھ فوجی موجود تھے۔ برخلاف اس کے مولوی صاحب اور ان کے رفقا کو نفری طور پر برتری ضرور حاصل تھی لیکن ان کی کثیر تعداد جدید ہتھیار کے استعمال سے ناواقف تھے انھیں کوئی جنگی تجربہ بھی نہ تھا۔ بغاوت کی ابتدا ہوتے ہی انھیں سامانِ حرب اور گولہ بارود خاصی مقدار میں مل گیا تھا لیکن ان کا مقابلہ ایسے افراد سے تھا جو آدابِ جنگ سے پوری طرح واقف اور جدید ہتھیاروں سے لیس تھے۔ تاہم مجاہدین نے قلعہ حاصل کرنے کی کوششیں کیں لیکن وہ کامیاب نہ ہو سکے[5] دریں اثنا ۷ جون کو لفٹننٹ آرنلڈ کی قیادت میں انگریزوں کو پہلی کمک پہنچ گئی۔ دوسری کمک ۹ جون کو کشتیوں کے ذریعہ قلعہ میں پہونچی۔ مجاہدین کی توجہ صرف شہر اور بعض اہم کشتی کے پلوں تک محدود تھی اور غالباً وہ قلعہ کی مکمل ناکہ بندی نہ کر سکے تھے۔ مزید برآں الٰہ آباد کو مجاہدین سے واپس حاصل کرنے کے لیے برطانوی گورنر جنرل لارڈ کیننگ نے آزمودہ کار برطانوی کرنیل گورڈن نیل کو مامور کیا[6] کرنیل نیل تیزی

---

۱ـہ Allahabad Mutirry Basta No.5 File No. 16

۲ـہ F.R.S.C. 31 July 1858 No. 94

۳ـہ رضوی، جلد چہارم، صفحہ ۵۵ ۴ـہ شہابی ص ۱۲۹

۵ـہ یہاں Kaye ص ۲۶۱ کا بیان قابل توجہ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ مجاہدین نے قلعہ پر قبضہ کرنے کی کئی کوششیں کیں لیکن وہ برطانوی توپ خانوں کے خوف سے کچھ نہ کر سکے۔ ۶ـہ Kaye جلد دوم ص ۲۶۲

کمک کے ساتھ ۱۱ جون کو الٰہ آباد پہونچا اور مجاہدین کے خلاف صف آرا ہو گیا[1]۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ قلعہ میں موجود چار سو سکھ سپاہی اپنی فوجی اہمیت سے آگاہ ہو کر من مانی پر اُتر آئے تھے۔ تمام فوجی نظم و ضبط کو خیر باد کہہ کر وہ نہ صرف لہو و لعب اور شراب نوشی میں مبتلا ہو گئے تھے بلکہ انگریزوں سے بھی درشتگی سے پیش آنے لگے تھے[2]۔ کرنل نیل نے بہرحال بہت ہوشیاری سے نظم و ضبط بحال کیا۔

دریں اثنا مولوی صاحب اور اُن کے جہادی رفقا نے شہر کے بعض فوجی اہمیت کے علاقوں پر اپنا نظم قائم کر لیا تھا۔ انھوں نے دارا گنج کے کشتیوں کے پُل کو بھی قبضہ میں کر لیا تھا۔ گرد و نواح کے پرگنات میں جہادیوں نے اپنی حکومت کے قیام اور برطانوی حکومت کے خاتمہ کا اعلان کر دیا تھا۔ خاص طور پر رسول پور، صمد آباد، فتح پور، بھوا، بگسارا، سالوری، شادی آباد، منہاج پور، بخشی وغیرہ کے مسلمان زمین دار مولوی صاحب کے ساتھ ہو چکے تھے۔ ان کا ہدف انگریزوں کے مکانات اور جائداد کے علاوہ تحصیل، تھانے اور ریلوے اسٹیشن تھے، جو برطانوی تسلط کی علامت تصور کیے جاتے تھے[3]۔ الٰہ آباد میں مولوی صاحب اور اُن کے رفقا بہرحال جمنا پار کے جنوبی علاقوں پر کوئی زیادہ اثر نہ ڈال سکے۔ غالباً اس کا سبب یہ تھا کہ منڈا راجہ کا اس علاقہ پر بہت زیادہ اثر تھا۔ وہ برطانوی حلیف تھا چنانچہ جب چند افراد نے اس علاقہ میں علم بغاوت بلند کرنے کی کوشش کی تو راجہ مذکور نے اسے ناکام بنا دیا۔ اس کی معاونت میں راجہ دَیّا اور بیڑا برابر کے شریک تھے[4]۔ بہر نوع جمنا سے متصل موضع دہراول کے زمین دار ڈہاکن سنگھ نے بغاوت میں بھرپور تعاون دیا۔ اُس کے قرب وجوار کے زمین دار اُس کے شریک تھے۔ ڈہاکن سنگھ اور ہنومنت سنگھ کی گرفتاری کے لیے برطرف انگریزی حکومت نے مبلغ ایک ہزار روپیہ کا انعام مقرر کر دیا تھا۔ الٰہ آباد اور اس کے گرد و نواح میں مجاہدین کی سرگرمیاں بہت تیز تھیں۔ ایک برطانوی افسر لکھتا ہے کہ دوآبہ کی آبادی مسلمان زمین داروں کی قیادت میں جنونی مذہبی جنگ کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی تھی[5]۔ گنگا پار کے علاقہ میں بھی عوام تیج بل سنگھ تعلقہ دار، فقیر بخش تعلقہ دار پرگنہ جھوسی

---

۱۔ F.R.S.C 31 July 1857 No. 94 ، Kaye جلد دوم صہ ۲۶۲

۲۔ Thampson, F. Official Narrative on Allahabad district No. 376 P.6

۳۔ کنہیا لال صہ ۹۸-۱۹۷ ۴۔ F.R.S.C. 31 July 1857 No. 94

۵۔ Thampson, Narrative on Allahabad district No. 376. P. 9

کی قیادت میں انگریزی حکومت کے خلاف سرگرم عمل تھے۔[۱] الشوری بخش اور چھتر پتی سنگھ، موضع شوماپور، پرگنہ نواب گنج میں عوام کی قیادت کر رہے تھے جبکہ راجہ گلاب سنگھ (الہ آباد) بغاوت میں پہلے ہی سے پیش پیش تھے۔[۲] مجموعی طور پر ضلع کے بیشتر حکمراں انگریزی حکومت کو بیخ و بُن سے اکھاڑنے میں مصروف عمل تھے۔ مولوی صاحب کا ان تمام افراد کو غیر ملکی حکومت کے خلاف آمادہ کرنے میں بڑا ہاتھ تھا۔

یوں الہ آباد ضلع کے بیشتر علاقے باغیوں کے حلقہ اثر میں آچکے تھے لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کی تمام کوششوں کے باوجود، باغیوں کے مختلف قائدین کے درمیان کوئی موثر رابطہ نہیں قائم ہو سکا تھا۔ ہر علاقہ کی رہنمائی مقامی قائد کے ذمہ تھی۔ مولوی صاحب نے ضلع میں جس نظم کو قائم کرنے کی کوشش کی تھی اس کا اتنا اثر ضرور ہوا تھا کہ ضلع میں شرپسند عناصر قابو میں کر لیے گئے تھے۔ بہرنوع چونکہ الہ آباد میں کوئی ایسا مرکزی نظم قائم نہیں ہو سکا تھا اس لیے ضلع کے تمام باغیوں کا آپس میں کوئی رابطہ نہیں قائم ہو سکا تھا جس کی وجہ سے اُن کی قوت منتشر تھی۔ مولوی صاحب کے پاس جو جمعیت تھی وہ بھی ایک شکست کے بعد بے سروسامانی کا شکار تھی جیسا کہ اُن کے اشتہار سے ظاہر ہوتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں مولوی صاحب کا انگریزوں کے خلاف زیادہ عرصہ تک برسرپیکار رہنا ممکن نہ تھا۔ انگریزی کمک الہ آباد کی بازیابی کے لیے ۷ رجون سے ہی پہنچنے لگی تھی۔ ۱۲ رجون کو کرنل نیل کی قیادت میں انگریزی فوج نے داراگنج کے کشتیوں کے پل پر ایک سخت مقابلہ کے بعد قبضہ کر لیا۔[۳] کرنل نیل اور اس کی معاون سکھ سپاہ نے عوام پر ظلم و ستم اور بربریت کی بدترین مثالیں قائم کیں۔ اس فتح کے فوراً بعد کرنل نیل نے سکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا کو اپنے ایک مراسلہ میں لکھا کہ وہ حملہ کرے گا اور مکمل طور پر شہر کے گرد و نواح کے تمام مواضعات کو تباہ کر دے گا کیونکہ یہیں سے باغیوں کو مدد مل رہی تھی۔[۴] ۱۴ رجون کو انگریزی فوج نے مولوی صاحب پر یلغار کی لیکن مولوی صاحب اور ان کے رفقا نے انہیں شکست فاش دی۔[۵] انگریزی فوج فرار ہو کر قلعہ بند ہو گئی۔[۶] اس فتح

---

۱؎ F.R.S.C 30 April 1858 No. 352-62 ۲؎ ایضاً

۳؎ FRSC, 25 September 1857 No. 249 ۴؎ الہ آباد کلکٹریٹ میوٹنی بستہ نمبر ۴، فائل نمبر ۱۶

۵؎ کنہیا لال ص ۱۹۸ لکھتا ہے کہ انگریزی فوج ہٹ گئی۔

۶؎ ایضاً ڈسٹرکٹ گزیٹر الہ آبادی ص ۱۸۳

نے مولوی صاحب اور اُن کے رفقاء کے حوصلے بلند کر دیئے[1]۔ ۱۶ر جون کو انگریزوں کو مزید کمک پہنچ گئی جس کی وجہ سے طاقت کا توازن بالکل بدل گیا۔

کرنیل نیل نے اپنے منصوبہ کے تحت ۱۶ر جون ہی سے الٰہ آباد کے گرد و نواح پر زبردست فوجی کارروائی شروع کر دی۔ دریا آباد کی مسلمان پٹھان آبادی، سعد آباد اور رسول پور کی مسلمان میواتی آبادیاں اُس کا پہلا ہدف بنیں۔ اس نے ان آبادیوں کو تہس نہس کر دیا اور بقول کنھیا لال:۔

"وہاں جا کر خوب قتل عام کیا اور مسلمانوں کو اچھی طرح نصیحت دی"[2] کرنیل نیل کی فوجی کارروائی کے آغاز سے پہلے ہی ان علاقوں کی بیشتر آبادی فرار ہو چکی تھی۔ عصبیت کا شکار کرنیل نیل نے الٰہ آباد کے قلعہ کے مغربی سرے پر قائم جامع مسجد کو بھی نہیں بخشا اور اسے شہید کر کے فوجی بیرک میں تبدیل کر دیا[3]۔ مولوی صاحب نے اپنے رفقا کے ساتھ ایک بار پھر کرنیل نیل کے خلاف صف آرائی کی لیکن اسلحہ کی کمی اور غیر تربیت یافتہ افراد کی وجہ سے وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ مجبوراً اپنے تین ہزار رفقا کے ساتھ وہ اپنے مستقر خسرو باغ میں لوٹ آئے[4]۔ کرنیل نیل نے مولوی صاحب کی پسپائی سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے، آخری ضرب لگانے کی کوشش کی اور خُسرو باغ کا محاصرہ کر لیا۔ مولوی صاحب اور اُن کے رفقا کی بہترین مدافعانہ جنگ نے کرنیل نیل کے ارادوں کو ناکام بنا دیا۔ دریں اثنا غالباً برطانوی افسران یا برطانوی نواز مفاد پرستوں کی طرف سے یہ افواہ پھیلا دی گئی کہ برطانوی افواج شہر کو تباہ کرنے کے لیے گولہ باری کی تیاریوں میں مصروف ہیں تاکہ مولوی صاحب اور اُن کے رفقاء کے علاوہ اُن کے معاونین کو بھی تباہ کر دیا جائے۔ کرنیل نیل اور اس کی ہم کاب فوجوں کی شقاوت قلبی اور بربریت کا علم مولوی صاحب کو صمد آباد، رسول پور اور دیگر علاقوں کے قتل عام سے ہو ہی چکا تھا۔ مولوی صاحب کے سامنے دو ہی راستے تھے کہ جنگ جاری رکھیں

---

[1] کنھیا لال، صـ۱۹۸ پر لکھتے ہیں کہ اس فتح کی وجہ سے مولوی صاحب اور ان کے رفقا کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ مولوی صاحب نے اس فتح کو مد دایزدی سمجھا۔

[2] کنھیا لال صـ۱۹۹ ۔ Kaye جلد دوم صـ۲۶۶ پر لکھتا ہے کہ سکھ فوج کی دہشت سے گاؤں کے گاؤں ویران ہو گئے تھے۔

[3] Allahabad Collectorate Mutiny Basta No. 4 File No. 16

Kaye، جلد دوم صـ۲۶۷ پر اس واقعہ کو ۱۷ر جون کو ہونا لکھتا ہے۔

[4] FRSC, 31 July 1857 No, 94 ، Kaye جلد دوم صـ۲۶۶

اور پوری الٰہ آباد کی آبادی کو انگریزی توپ خانہ کے رحم وکرم پر چھوڑ دیں یا شہر خالی کر کے چلے جائیں تاکہ شہر کی آبادی کو مکمل تباہی سے بچایا جا سکے۔ مولوی صاحب نے دوسری راہ اختیار کی۔ تاہم انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کی آگ جو اُن کے دل میں روشن تھی انھیں کھینچ کر مراٹھا باغی لیڈر نانا صاحب کے پاس لے گئی[1]۔ مولوی صاحب اور اُن کے رفقا کس طرح انگریزی محاصرہ توڑ کر نکل جانے میں کامیاب ہوئے یہ اب تک صیغہ راز میں ہے۔ انگریز اور ہندوستانی مورخین بھی اس پر کوئی روشنی ڈالنے سے قاصر ہیں[2]۔ بہر نوع مولوی صاحب کے پر اسرار طور پر نکل جانے کی وجہ سے انگریزی اکابرین کو دھچکا لگا۔ اُن کی گرفتاری کے لیے انعام کا اعلان کیا گیا اور اشتہارات شائع کیے گئے۔ مولوی صاحب کچھ دنوں تک نانا صاحب کی فوج کے ساتھ مل کر انگریزی حکومت کے خلاف جنگ آزما رہے لیکن نانا صاحب کو پے در پے شکستوں کی وجہ سے جب اُن کی جمعیت منتشر ہو گئی اور خود نانا صاحب مع اپنے رفیق خاص عظیم اللہ خاں کے ساتھ کان پور سے فرار ہو گئے تو مولوی صاحب کے لیے تنہا جنگ جاری رکھنا ممکن نہ تھا۔ ۱۸۵۸ء کے وسط تک انگریزوں نے شمالی ہند کے تقریباً ان تمام علاقوں پر قبضہ جما لیا تھا جو اُن کے ہاتھوں سے نکل چکے تھے۔ مولوی صاحب کان پور سے کہاں گئے اس کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ بعد کے حالات سے اتنا ضرور محسوس ہوتا ہے کہ مولوی صاحب برسوں ہندوستان کے مختلف حصوں میں پھرتے رہے۔ غالباً بارہ برس[3] کی صحرا نوردی کے بعد مولوی صاحب کو بمبئی میں گرفتار کر لیا گیا۔ ان پر حکومت برطانیہ کے خلاف بغاوت کرنے کی فرد جرم عائد کی گئی۔ مقدمہ چلا اور ایسے مقدمات کی جو نوعیت ہوتی ہے وہ عیاں ہے۔ مولوی صاحب بارہ برس کی صحرا نوردی اور جیل کی سختیوں کے باوجود اپنے موقف پر جمے رہے۔ انھوں نے بغاوت میں شرکت اور باغیوں کی رہنمائی کو تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ برطانوی حکومت کے خلاف جد وجہد اور حرب آرائی پر فخر کیا۔ اس یقین کا بھی اظہار کر دیا کہ ہندوستان سے انگریزی اقتدار کا خاتمہ ہو کر رہے گا۔ مولوی صاحب کی صاف گوئی نے عدالت کا کام آسان کر دیا۔ آپ مجرم قرار دئے گئے اور حبس دوام

---

[1] کنھیا لال صـ ۱۹۹ ، FR SC, 31 July 1057 No. 94

[2] کنھیا لال صـ ۱۹۹ ، Kaye جلد دوم صـ ۲۶۷ اور ۲۶۷ فٹ نوٹ۔ مولوی غلام رسول مہر نے اس موضوع پر دلچسپ بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو مہر، صـ ۴۴-۱۴۳

[3] روزنامہ نیشنل ہیرالڈ، لکھنؤ، مورخہ یکم ستمبر ۱۹۵۸ء

کی سزا سنادی گئی۔ انھیں بمبئی سے جزیرہ انڈمان (کالے پانی) بھیج دیا گیا۔ چند دنوں بعد وہیں پر آپ کا انتقال ہوگیا[1]۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

مولوی محمد لیاقت کے اخلاف کے متعلق کچھ نہیں ملتا[2]، تاہم روزنامہ نیشنل ہیرالڈ لکھنؤ نے اپنے خصوصی نامہ نگار کے حوالہ سے یکم ستمبر ۱۹۵۵ء کو "مہا گاؤں کا ۱۸۵۷ء کے ہیرو" کے عنوان سے ایک خصوصی رپورٹ شائع کی تھی۔ اس رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کے تین پوتے قاضی ابواحمد اور قاضی ایوب احمد و قاضی حافظ نظیر احمد ۱۹۵۵ء کے وسط تک حیات تھے۔ ان میں قاضی ابواحمد صاحب کی عمر ستر سال کی تھی جو سب سے بڑے تھے۔ مولوی محمد لیاقت علی مرحوم کی ۱۸۵۷ء کی انقلابی سرگرمیوں اور حُبّ الوطنی کے پیش نظر حکومت ہند نے قاضی ابواحمد صاحب کو دو سو روپئے ماہانہ کی پنشن مقرر کی تھی۔ قاضی ابواحمد صاحب نے نمائندہ نیشنل ہیرالڈ کو اپنے انٹرویو میں بتلایا تھا کہ ان کو ورثہ میں مولوی محمد لیاقت علی کی ذاتی ڈائری ملی تھی جو کوئی صاحب اُن سے مستعار لے گئے اور واپس نہیں کی۔ افسوس کی بات ہے کہ ایسی قیمتی چیز ضائع ہوگئی ورنہ اس ڈائری کے مطالعہ سے نہ صرف مولوی صاحب کی بلکہ اُن کے رفقا کی ۱۸۵۷ء میں سرگرمیوں کے متعلق نہ جانے کتنی اہم باتیں معلوم ہوتیں۔ نیشنل ہیرالڈ کے نامہ نگار نے یہ بھی لکھا تھا کہ مولوی صاحب کی ایک تصویر جس میں وہ امیر افغانستان کے ساتھ کھڑے ہوئے ہیں پشاور کے میوزیم میں موجود ہے۔ ممکن ہے کانپور سے نکلنے کے بعد مولوی صاحب اپنی صحرا نوردی کے دوران افغانستان جا پہونچے ہوں اور امیر افغانستان سے بھی ملاقات کی ہو، بہرحال یہ امر تصدیق طلب ہے۔

مولوی صاحب نے ۱۸۵۷ء کی جنگ میں جس شجاعت، استقلال اور جراءت کا ثبوت دیا وہ کوئی نئی بات نہیں۔ تاریخ کے اوراق میں اور خاص طور پر ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے دوران ہمیں کتنے ہی ایسے مدرسین اور علماء کرام نظر آتے ہیں جو شوق جہاد میں لڑے اور بغاوت کے الزام میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور دوران قید ہی معبود حقیقی سے جا ملے۔ ان میں مولانا فضلِ حق خیرآبادی، مولانا احمد اللہ صادق پوری، مولانا یحییٰ علی، مولانا عبدالرحیم وغیرہ سرفہرست ہیں۔

---

[1] مہر صفحہ ۱۴۴ ۔ Home Department (Public) 14 Oct 1971 No 31-33

[2] راقم الحروف کو الٰہ آباد کے قیام کے دوران محترم سید جلال الدین احمد صاحب، نائب ڈائرکٹر الٰہ آباد یوپی آرکائیوز نے بتلایا تھا کہ اُن کی اخلاف اب بھی مہا گاؤں اور الٰہ آباد میں موجود ہیں۔ افسوس کہ بعض ناگزیر اسباب کی وجہ سے میں خود ان لوگوں سے رابطہ نہ قائم کرسکا۔